عصرِ حاضر کے تعلیمی تقاضے اور اقبال کا تصورِ تعلیم

ڈاکٹر پروین، شعبہ تعلیم و تحقیق، جامعہ پشاور

Abstract:

The significance of education in human society is identical as breath in human life. For the success and development of any society, it is imperative that a society accommodate a solid and strong education system. However, it should be considered that education system of one nation cannot be applied on other nation. It is like commit a suicide because everyone has its own environment, geographical condition, way of thinking, religion, culture and social set up. So, it is not possible for any nation to embrace the social and educational structure of others. Who can deny Allama Iqbal's insight in sub-continent? He presented his ideas regarding other issues along with educational system before us. He has presented his views in respect of education very bluntly. In this study, an attempt has been made to review Iqbal's thoughts and meditations with reference to education.

انسانی معاشرے میں تعلیم کی اہمیت وہی ہے جو انسانی جسم میں سانس کی ہے، گویا انسانی معاشرے میں کامیابی و ظفریابی کے حصول کے لئے ایک بہترین تعلیمی نظام، ڈھانچے کا ہونا ناگزیر ہے، تاہم ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی محل نظر رکھا جاءے کہ کسی ایک قوم کا نظام تعلیم کسی دوسری قوم پر لاگو نہیں کیا جاسکتا اور اس میدان میں تقلید کی روش اختیار کرنا واقعتاً خودکشی کے مترادف ہے، کیونکہ ہر قوم ایک جداگانہ ماحول، جغرافیہ، طرز فکر، مذہب، سماج اور معاشرے سے متعلق ہونے کی وجہ سے کسی دوسری قوم کے وضع کردہ نظام کو پوری طرح سے نہ تو قبول کر سکتی ہے اور نہ کرنا چاہیے۔ برصغیر پاک و ہند میں اقبال کی بصیرت سے کون انکار کر سکتا ہے آپ نے دیگر امور کے ساتھ نظام تعلیم کے حوالے سے اپنے خیالات اپنے کلام کے پردوں میں ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ نظام تعلیم کے باب میں اقبال بہت ہی واضح اور دوٹوک نظریہ رکھتے ہیں۔ اس مقالے میں اقبال کے انہی افکار و نظریات کا محاکمہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

ایک مؤثر، منضبط، مبسوط اور ذہنی اور فکری زرخیزی پر مشتمل نظام کسی قوم کی بقاء، ارتقاء اور استحکام کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو اہمیت زندہ رہنے کے لیے سانس لینے کی ہے اور یہ نظام تعلیم مانگے تانگے یا محض

تقلید کے کھوکھلے ستونوں پر استوار نہ ہو ورنہ حال وہی ہوگا جس کی مثال معروف ماہر تعلیم سڈلر نے یوں دی ہے۔

> We cannot wander at pleasure among the educational system of the world, like a child strolling throw a garden, and pick of flower from one bush and some leaves from another and then expect that if we stick what we have gathered into the soil at home we shall have living plant.(۱)

اب درجہ بالا بات اور سڈلر کے قول کو ملا کر اگر پڑھا جائے تو ہر ذی فہم کے ذہن میں فوراً یہ سوال اٹھے گا کہ پھر عصر حاضر کے تناظر میں بارے تقاضے کیا ہیں کہ جن سے عہدہ برآں ہو کر ہم ایک منضبط تعلیمی نظام تشکیل دیں سکیں تو میرا جواب یہ ہے کہ ایک موثر تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے اس سے پہلے ہم نے فکر اقبال میں اقبال کے تصور تعلیم سے خوشہ چینی کرنی ہوگی اور اس کی اس سے اہم وجہ یہ ہے کہ اقبال علم کی دنیا میں عصر حاضر کی ایک عظیم شخصیت ہونے کے علاوہ ایک عظیم تر شاعر اور عظیم ترین فلسفی ہیں اور بحیثیت ایک عظیم فلسفی وہ تعلیم جیسی بنیادی چیز سے آنکھیں کیوں کر پھیر سکتے تاہم ان کی اردو فارسی اشعار کے علاوہ ان کی نثر، خطوط، شذرات، خطبات اور مضامین و مقالات میں ملت اسلامیہ کے موثر تعلیمی نظام کی ہیت وماہیت اور تشکیل کے حوالے سے ٹھوس جامع اور مبسوط تاثرات ملتے ہیں۔مزید برآں انھوں نے ایک مؤثر تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے نا صرف تصورات پیش کیے بلکہ بالفعل انھوں نے مختلف تعلیمی اداروں کے لیے نصابات بھی تشکیل دیے اور یہ ساری چیزیں تحریری صورت(ON THE RECORD) میں آج بھی موجود ہیں۔

عصر حاضر کے تعلیمی تقاضوں اور اقبال کے تصورِ تعلیم پر آگے بحث کو بڑھانے سے قبل پاکستان کے تعلیمی نظام بالخصوص مختلف اداروں اور نصاب سازی کا اجمال کچھ یوں ہے کہ "۱۹۴۷ء میں پاکستان کا کل تعلیمی نظام دس ہزار پرائمری اور مڈل اسکول چار لوئر سیکنڈری و کیشنل اسکول، چالیس آرٹس اور سائنس کالج، اور دو یونیورسٹیوں پر مشتمل تھا۔۱۹۶۲ء تک نصاب سازی یا کتاب سازی کا کوئی ایک ادارہ نہیں تھا"۔(۲)

مزید برآں نصاب کی تشکیل اور نصابی کتابوں کا اہتمام اکثر و بیشتر پرائیویٹ سیکٹر کے پاس تھا البتہ پنجاب یونیورسٹی میں ان جماعتوں کی کتابوں کی اشاعت مزید برآں نصاب کی تشکیل اور نصابی کتابوں کا اہتمام اکثر و بیشتر پرائیوٹ سیکٹر کے ذمہ تھا البتہ پنجاب یونیورسٹی میں ان جماعتوں کی کتابوں کی اشاعت کا مختصر اہتمام

تھا جن کے امتحانات ان کے زیر سایہ ہوئے لیکن پھر بھی آٹھویں جماعت کتابوں کی طباعت پرائیوٹ سیکٹر کے سپرد تھا۔ بہرحال آزادی کے تیرہ سال بعد یعنی ۱۹۶۰ء میں وفاقی وزارت تعلیم میں نصاب سازی کے ادارے کا قیام اور صوبوں کی سطح پر ٹیکسٹ بک بورڈ کا وجود تعلیمی میدان میں پاکستان کی تاریخ میں بڑی فتوحات کا درجہ رکھتی ہیں پھر اس کے بعد صوبائی نمائندگی کو مد نظر رکھتے ہوئے نصاب کمیٹی کی تشکیل کو ایک اور بڑی فتح قرار دیا جاسکتا ہے اور پھر پہلی سے بارہویں جماعت کے نصابی کتابوں کی منظوری کے لئے ریویو کمیٹی کی تشکیل مزید ایک خوش آئند عمل تھا۔

پھر جہاں تک اعلیٰ تعلیمی نصاب کا تعلق ہے تو اس کی ذمہ داری یو جی سی (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) کو تفویض کی گئی جس کو آج کل ایچ۔ای۔سی کہا جاتا ہے اور انھوں نے یہ کام ہر یونیورسٹی میں مخصوص اکیڈمک کونسل اور بورڈ آف سٹڈیز کے سپرد کیا جو نصاب کی تیاری سے لے کر منظوری تک تمام مراحل طے کرواتی ہے۔ یہ تو گورنمنٹ اور پبلک سیکٹر یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کا نظام ہے اور جہاں پر پرائیوٹ سیکٹر اسکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا تعلق ہے تو وہ مذکورہ سیکٹر کے نصابوں کے علاوہ آزادانہ طور پر آکسفورڈ، کیمبرج اور دیگر یورپی اداروں کی کتابیں مضامین اور کورسز بھی پڑھاتے ہیں۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مغرب اگر تہذیبی، مذہبی اور روحانی سطح پر ہم سے کہیں پیچھے ہے تو تعلیم، ٹیکنالوجی اور مادہ کے میدان میں کہیں آگے نکل گیا ہے اور اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو نقصان دونوں کا برابر ہوا ہے۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ ہے قائد کا پاش پاش
گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے میں ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ
شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

مغربی دنیا سائنسی شور، مشینی دھوئیں اور مادے کی پوجا میں اس قدر منہمک ہو گئی کہ مذہب، تہذیب اور روحانیت سے ہاتھ دھو بیٹھی جب کہ مشرقی دنیا فرسودات، توہمات اور رجعت پسند رویوں میں اس قدر مستغرق ہو گئی کہ تسخیر کائنات کے کمالات ذہنی ترقی اور فکری نشو و نما سے محروم ہو گئی۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ حرفت نہ نگاہ
نہ فلسفی نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

یوں دونوں غلام ہو گئے جس میں مغرب مادے اور مشرق مغرب کا غلام ہو کر رہ گیا۔ اب ان حالات میں ایک مثالی اور متوازن تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے یہاں پر درج سوالات جنم لیتے ہیں۔

۱۔ ابتدائی جماعتوں سے ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں کے نصابات کس انداز میں مرتب کئے جائیں؟
۲۔ نصابات کے متون میں مواد کی ہیئت و تشکیل کس انداز کی ہو؟
۳۔ عصر حاضر میں مذہب کے تقاضوں اور سائنس کے الحادی رویوں میں کس انداز میں تناسب اور توازن پیدا کیا جائے؟
۴۔ عصر حاضر میں ٹیکنالوجی میں کمال اور تسخیر کائنات یقینی بنانے کے لیے مغربی علوم کا استفادہ ناگزیر ہے اب انہیں کس انداز میں اور کس حد تک قبول کیا جائے؟
۵۔ سائنسی ترقی اور مذہبی توازن کس طرح ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے ہیں؟
۶۔ سائنسی علوم سمیت دیگر علوم جدیدہ ہماری قومی ترقی میں کس حد تک مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں؟
۷۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کو کس انداز میں متوازن خطوط پر رائج کیا جائے؟
۸۔ ذریعہ تعلیم کون سی زبان ہونی چاہیے؟

اقبال کے نزدیک تاریخ کے عمل میں افراد و اقوام کی ذہنی زندگی کا تسلسل رونما ہوتا ہے ایک تاریخ خود بینی، خود سازی کے عمل کے لیے ایک آزمائش ہے اور علم و آگاہی کا وسیلہ بھی مذکورہ بالا سوالات کو مد نظر رکھا جائے تو ان سوالات اور ان سوالات میں مذکورہ مسائل کے حل کے لیے لامحالہ فکر اقبال کے تعلیمی پہلوؤں پر ہماری نظر سب سے پہلے پڑتی ہے اور ہمیں مذکورہ سوالات کے جوابات اور مسائل کا حل بآسانی مل سکتا ہے یوں اقبال کے مطابق؛

اقبال کے نزدیک تاریخ کے عمل میں افراد و اقوام کی ذہنی زندگی کا تسلسل رونما ہوتا ہے۔ تاریخ خود بینی، خود گری، خود سازی کے عمل کے لیے ایک آزمائش ہے اور علم و آگاہی کا پاک وسیلہ بھی۔

اس کے لیے سے پہلے ہمیں اقبال کی تحریروں میں نصاب سازی کے طریقہ کار کو دیکھنا ہوگا پھر جہاں نصابوں کے اطلاقی پہلوؤں کا تعلق ہے تو اقبال نے اس کی درجہ بندی یوں کی ہے۔

۱۔ بچوں کی تعلیم و تربیت

۲۔ پرائمری سے میٹرک تک کا دور

۳۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم

۴۔ تحقیق

پاکستان کے تعلیمی اداروں میں جو نصابات کی عموماً درجہ بندی ہے وہ اقبال کی تعلیمی درجہ بندی کے تقریباً موافق ہے اب جہاں پر اقبال کی تعلیمی درجہ بندی کے اطلاقی پہلوؤں کا تعلق ہے تو اقبال عملاً و فعلاً ان تمام مدارج بحیثیت شاگرد یا متعلم بھی گزرے اور بحیثیت استاد و معلم بھی، اور وہ یوں کہ تعلیم کی تکمیل کے بعد کالج کی سطح تک انہیں تدریس کا براہِ راست تجربہ تھا اور ینٹل کالج میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ وہ درسی کتابوں کی ترتیب و تدوین کا کام بھی عملاً سرانجام دیتے رہے پھر سیاسیات، مذہب، فلسفہ و تاریخ کو انہوں نے باقاعدہ پڑھایا اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ و تاریخ، عربی اور انگریزی ادب و شاعری جیسے مضامین بھی انہوں نے پڑھائے نیز فارسی میں ان کی مہارت کا تو پورا ایک جہاں معترف اور مداح ہے۔

اس کے علاوہ جنوری ۱۹۰۲ء انہوں نے رسالہ مخزن میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے باقاعدہ ایک مضمون لکھا۔ جس میں انہوں نے بچوں کے قدیم طرز تعلیم کو رد کرتے ہوئے ایسا نصاب مرتب کرنے کی سفارش کی جس میں بچے کی اضطراری سے حرکت کے میلان کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوران تدریس قوی حرکات کے ذریعے انہیں تقسیم کرانے کی سفارش کی مزید برآں پانچوں حواس بیدار کرنے کے علاوہ بچے کی ذہنی سطح اور دلچسپی کو بھی مد نظر رکھنے کی سفارش کی اور کہا کہ ''سبق طویل نہ ہوں اور چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہوں'' اس کے علاوہ اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں کو مد نظر رکھنا لازمی تھا کہ ابتدا ہی سے بچے کی شخصیت میں مذہب کے عناصر راسخ ہو جائیں اور اس تناظر میں انہوں نے سلسلہ ادبیہ کے عنوان سے پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں کلاسوں کے لیے سلسلہ کتب تیار کیا یوں نویں اور دسویں کے لیے انہوں نے آئینہ عجم بھی ترتیب

دی یوں فارسی زبان کو انٹرنس لیول میں شامل کرانا چاہتے تھے اس حوالے سے پروفیسر محمد اکبر کو ایک خط میں مقررہ ۳۰ جنوری ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں ''میرا مقصود یہ ہے کہ فارسی کے ذریعے سے بھی جدید خیالات واحساسات طلبائے میٹرک کو پہنچیں''۔

جہاں تک اعلیٰ تعلیمی سطح کا تعلق ہے تو اس میں اقبال نے قرآن پاک کے تناظر میں انسان کے داخلی تجربے کو علم میں بنیادی اہمیت دی اور اس حوالے سے مظاہر قدرت اور تاریخ کا مطالعہ ضروری گردانا اس کے علاوہ مادی حقائق پر غور وفکر کو مسلمانوں کی فکر کا لازمی عنصر گردانتے ہوئے سائنسی علوم کے حصول کو غیر معمولی اہمیت دی لیکن اس پر مذہب کی لگام کو ناگزیر قرار دیا اور اس کی ایک منطقی ونفسیاتی توجیہہ بیان کی۔ ہر چند کے سائنسی حقائق تک رسائی کا خوبصورت ذریعہ ہے لیکن سائنس کھلی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت کا ایک حصہ ہے جبکہ حقیقت کا دوسرا حصہ مذہب ہے اور یوں سائنس مذہب کے ملاپ سے حقیقت کی تکمیلی صورت تشکیل پاتی ہے۔ اقبال کے مطابق فلسفیانہ علوم، سماجی علوم، سائنسی علوم، فنون لطیفہ اور ادبیات کوئی بھی میدان قائم بذات نہیں۔ نہ ہی الگ الگ رموز حیات کو منکشف کر سکتے ہیں بلکہ تمام علوم وفنون حقائق کی تہہ تک پہنچنے کے دو مختلف راستے ہیں جو سماجی زندگی کے تسلسل کو تشکیل میں اپنا آپ ظاہر کرتے ہیں ان کے خیال میں قرآن پاک ہماری تعلیم کا بنیادی رکن ہے۔ تاہم وہ اسلام کی حقیقی روح کے مطابق تعلیم کے حامی تھے تاہم الگ اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے بارے میں انہوں نے فرمایا۔ ''میرے نزدیک قدیم طرز پر مسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سود ہے کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہیں اور جہاں تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلے میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں''۔

ہمارے ہاں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ علامہ تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے معاملے میں رجعت پسند اور تنگ نظر تھے لیکن اس بات کی مکمل تردید مختلف مقامات پر ان کی شاعری اور خطوط میں ملتی ہے البتہ وہ عورتوں کو اخلاقی ی پابندی کی تلقین ضرور کرتے ہیں حضرت فاطمہؓ الزہرہ ''وہ مرد کی تعلیم کو محض ایک فرد جبکہ ایک عورت کی تعلیم کو پورے خاندان کی تعلیم تصور کرتی ہیں''۔

لیکن اس کے لیے وہ کونسا نقشہ ترتیب دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں'' قومی کی مسلسل بقاء کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتداء میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دیں جو مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکی تو انہیں اسلامی تاریخ، علم تدبیر خانہ داری اور علم اصول حفظ صحت پڑھایا جائے'' آگے لکھتے ہیں'' وہ مضامین جو ان کی نسائیت

کی نفی کریں یہ اسلام کی حلقہ بگوشی سے انہیں آزاد کرانے والے ہیں بہ احتیاط ان کے نصاب تعلیم سے خارج کر دینے چاہیے‘‘۔

عصر حاضر کے تعلیمی نظام کی تشکیل میں آخری نکتہ جو ہے وہ یہ ہے کہ کونسی زبان میں تعلیم دینی چاہیے تو اس حوالے سے اقبال کا موقف بہت دوٹوک ہے اور وہ یوں کہ وہ زبان کو کوئی ایسی چیز تصور نہیں کرتے جس کی پوجا کی جائے بلکہ وہ اسے اظہار مطالب معنی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مسلمانان ہند کے لیے انہوں نے ذریعہ تعلیم اردو بنانے کا نا صرف ذکر بار بار کیا بلکہ اس کے لیے کوششیں بھی کی یہاں تک کہ وہ اُردو کے ضمن میں لسانی عصبیت کو دینی عصبیت سے کم تر تصور نہیں کرتے اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق کو ۲۷ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ’’یقین جانیے کہ اس اہم معاملے (یعنی اردو) میں کلیتاً آپ کے ساتھ ہوں اگرچہ میں اردو زبان کی بحیثیت زبان کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ پاکستان میں نصاب سازی: عالمی معیار کے تناظر میں، ڈاکٹر مظفر عباس، مشمولہ: مقالات عالمی اردو کانفرنس، مرتب بادشاہ منیر بخاری، شعبہ اردو جامعہ پشاور، ۲۰۰۹ء ص ۲۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۳۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر مضمون، نظریہ تاریخ، مشمولہ: دائرہ معارف اقبال، جلد اول، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۶ء ص ۵۳۰

۴۔ وحید قریشی مضمون، تعلیم: مشمولہ: دائرہ معارف اقبال، جلد اول، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۶ء ص ۵۵۹

۵۔ ایضاً، ص ۵۶۰

۶۔ ایضاً، ص ۵۶۰

۷۔ ایضاً، ص ۵۵۵

۸۔ ایضاً، ص ۵۶۳

۹۔ ایضاً، ص ۵۶۴

۱۰۔ ایضاً ص، ۵۶۴